میڈیا' انسانیت اور ریٹنگ

تحریر: سہیل احمد لون

نوے کی دہائی میں جرمنی کے شہر شوائن فورٹ میں رہائش پزیر تھا۔میرے ساتھ والے فلیٹ میں ایک معمر خاتون (Frau Meyer) مادام مائرا کیلی رہتی تھی۔ایک روز وہ بازار سے خریداری کے بعد اپنی شاپنگ ٹرالی کو گھسیٹتی ہوئی گھر آرہی تھی تو میں نے مدد کا پوچھا تو انہوں نے مسکرا کر شکریہ ادا کر دیا۔ میں نے ادب سے کہا کہ اگر آپ روزانہ کی بنیادوں کی بجائے ہفتے میں ایک بار خریداری کر لیں تو میں اپنی گاڑی سے سامان آپ کے گھر پہنچانے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ مادام مائر نے میری بات سن کر ہلکا سا قہقہ لگا کر کہا ریٹائرمنٹ کے بعد بوریت دور کرنے اور متحرک رہنے کا یہی ایک بہانہ ہے تم چاہتے ہو کہ میں روزانہ باہر نہ نکلوں؟میں ابھی صرف 79 برس کی ہوں، اتنی صحتمند ضرور ہوں کہ اپنا کام بغیر کسی کی مدد سے کر سکوں۔ مادام مائر ہر اتوار باقاعدہ چرچ جاتیں اور اسکے بعد اگر موسم سازگار ہوتا تو اپنی بالکونی میں بیٹھ کر اخبار کا مطالعہ کرتیں۔اتوار کا دن تھا موسم خوشگوار تھا میں اپنی بالکونی میں بیٹھا دھوپ سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ میری ساتھ والی بالکونی میں مادام مائر پر نظر پڑی جو اخبار کا مطالعہ کر رہیں تھیں۔انہوں نے میز پر اخبار اور ساتھ ٹیلیفون ڈائیریکٹری (کتاب) بھی رکھی تھی ۔ مادام اخبار سے کچھ دیکھ کر ٹیلیفون ڈائریکٹری پر قلم سے کچھ لکھتیں۔میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ اخبار میں وہ صفحہ جہاں انتقال کرنے والوں اور ان کے جنازے کے اعلانات کی تفصیل درج ہوتی ہے (یورپ سمیت برطانیہ میں مرنے کا دن تو مقرر نہیں مگر دفن اکثر اتوار کو ہی کیا جاتا ہے اتوار کو ان اعلانات کی تعداد خاصی ہوتی ہے) وہ ٹیلیفون ڈائریکٹری سے مرنے والوں کا نام تلاش کر کے سیاہ قلم سے کاٹ دیتی۔میں نے حیرانگی سے یہ سوال کر دیا کہ اس سے آپ کیا فائدہ ہوتا ہے؟انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ میرا وقت مصروفیت میں گزر جاتا ہے بس یہی سب سے بڑا فائدہ ہے مگر میرے اس فعل سے کسی دوسرے شخص کو نقصان بھی نہیں ہوتا۔ ہمیں کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ ذاتی مفاد کے حصول کے لیے کسی کا نقصان تو نہیں کر رہے۔مادام مائر کے جواب کی تائید کرنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنا، مدد کے لیے ہاتھ نہ پھیلانا، کسی پر بوجھ نہ بننا وغیرہ ایسے افعال ہیں جن سے انسان میں خودی کا عنصر بیدار رہتا ہے۔ جب ہم کوئی فعل کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ اس سے کسی دوسرے شخص کو نقصان یا تکلیف تو نہیں ہوگی تو انسان ہونے کی دلیل ہے۔کیونکہ انسان وہی ہے جس میں انسانیت ہو، اگر لفظ انسانیت کو دیکھا جائے تو اس کے پہلے تین حروف ان س یعنی انس جس کا مطلب محبت ہے۔دنیا میں کسی بھی چیز کی ٹانگیں اور سر دھڑ سے جدا کر دیں جائیں تو وہ اپنی ہیت برقرار نہیں رکھ سکتی، اگر کسی جاندار کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا۔لفظ محبت کو بھی دیکھیں تو اس میں بھی چار حروف ہیں، اگر اس کی ٹانگیں اور سر یعنی م اور ت کاٹ دیں تو بھی دھڑ ح ب یعنی حب بچ جاتا ہے جس کے معنی انس اور محبت ہیں۔یعنی انسانیت کی بنیاد ہی دوسرے انسان سے انس ہے اگر انیست نہیں تو انسانیت نہیں اگر انسانیت نہیں تو انسان نہیں۔اشرالخلوقات کا دعوی ہم صرف اس صورت کر سکتے ہیں جب ہم انسان بنیں، جب ہم کوئی فعل کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ اس سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان تو

نہیں ہوگا۔وطن عزیز میں گزشتہ دہائی سے میڈیا کو خاصی آزادی دی گئی،جس کے بعد نئے چینلز اور اخبارات میں تیزی سے اضافہ دیکھنے میں آیا۔مصباح الحق کی ون ڈے انٹرنیشنل کرکٹ میں شمولیت اور میڈیا کو آزاد تقریباً ایک ساتھ ہی کیا گیا۔مگر پیں دیکھ کر لگتا ہے کہ مصباح الحق کی ایک روزہ میچوں میں پہلی سنچری سے قبل چینلز کی سنچری مکمل ہو جائے گی۔کیونکہ دور ہی میڈیا کا ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں کہ میڈیا چینلز کی سنچری بنائے بلکہ برائن لارا کی 400 کا ریکارڈ بھی توڑنے کی ریس میں شامل ہونا چاہیے۔مگر تعداد بڑھانے کے ساتھ معیار پر بھی توجہ دینی چاہیے۔میڈیا مالکان کی اکثریت چونکہ بنیادی طور پر صحافی نہیں ہیں اور یہ دھندا محض بزنس سمجھ شروع کر لیتے ہیں اس وجہ سے ہوسکتا ہے ان کو تمام قواعد وضوابط کا علم نہ ہو جو ایک مستند صحافی کو ہوتا ہے۔خبر نشر کرنے سے قبل ایک بار اس چیز کا اطمینان ضرور کر لینا چاہیے کہ اس سے کسی مظلوم یا مظلوم کے ورثاء کے جذبات کو ٹھیس تو نہیں پہنچ رہی۔افسوس ہم ریٹنگ کے چکر میں سب قواعد و ضوابط،اصول وقوانین بھول جاتے ہیں۔حالیہ دنوں معصوم بچیوں کے ساتھ زیادتی کے کئی کیسز منظر عام پر آئے،ایسے واقعات پہلے بھی رونما ہوتے رہے ہیں ہمارے محلے کی مسجد سے تین مولانا صاحبان کو بچوں سے جنسی فعل کرنے یا جنسی زیادتی کو کوشش کرنے پر نکالا جا چکا ہے۔یہ تلخ حقیقت ہے کہ ایسی بدفعلی کے واقعات دینی مدارس میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔بچوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بنانے والے زیادہ تر قریبی رشتہ دار،محلّہ دار،پڑوسی،بے بی سٹرز،معلم یا کوئی دوست ہوتا ہے۔اس کا شکار پاکستان ہی نہیں بلکہ دیگر ممالک بھی ہیں۔ برطانیہ میں 2011 سے 2012ءتک 16500 بچے جنسی استحصال کے مبینہ خطرے یا امکان سے دوچار رہے اور اسی مدت میں 2409 بچے جنسی استحصال کا شکار ہوئے۔اس مکروہ فعل میں مختلف کمیونٹی کے افراد ملوث پائے گئے۔برطانیہ میں گزشتہ دنوں 9 پاکستانیوں کو چائلڈ سیکس گرومنگ کے الزامات ثابت ہونے پر سزائیں سنائیں گئیں۔یہ ایک بین الاقوامی مسئلہ بنتا جا رہا ہے جس کے لیے موثر اقدام کرنا ناگزیر ہوگیا ہے۔تعجب کی بات ہے کہ میڈیا کے کچھ نجی چینل بچوں سے جنسی تشدد کی رپورٹنگ کرتے ہوئے متاثرہ بچوں کے نام، تصاویر اور ویڈیوز جاری کر دیں ،زخموں پر مزید نمک پاشی کے لیے متاثرہ بچوں کے گھر والوں کے تاثرات بھی بے شرمی سے نشر کیے گئے۔ پھر اسی نجی چینل پر اینکر صاحبان ایسے رپورٹنگ کرنے والوں کی مذمت کرتے بھی دکھائی دیے جو چینل کی منافقانہ اور دوہری پالیسی کی عکاسی کرتی ہے۔چند ماہ قبل ایل ڈی اے پلازہ لاہور کی بلڈنگ میں آتش زدگی کا واقعہ رونما ہوتا تو فائر بریگیڈ سے قبل میڈیا کا وہاں موجود ہونا ریسکیو ٹیموں کے منہ پر طمانچہ تھا۔آگ سے بچنے کے لیے لوگوں نے بلڈنگ کی چھت سے کود کر جان بچانے کی بے سود کوشش کی ایسے دردناک مناظر ٹی وی پر نشر کیے گئے،سوشل میڈیا بھی اب کسی سے پیچھے نہیں گزشتہ ہفتے فیس بک پر کسی نے کراچی میں پولیس آفیسر کا گولیاں لگنے سے خون میں لت پت زندگی کی آخری سانسیں لینے کا منظر اپ لوڈ کر دیا جس میں بہت سے لوگوں کو موبائل پر ویڈیو بناتے دیکھا جاسکتا ہے مگر حیرانگی ہے کہ کوئی اس کی مدد کو آگے نہ بڑھا اور نہ ہی کسی نے اس کے منہ میں پانی ڈالنے کی زحمت کی۔انگلش بلے باز کیون پیٹرسن کو سوشل میڈیا پر انگلش ٹیم کے کپتان کے متعلق بات لکھنے پر ٹیم سے باہر نکالا گیا تھا جس کے بعد اسے معافی مانگ کر ٹیم میں واپس آنا پڑا۔میڈیا پرنٹ الیکٹرانک ہو یا سوشل سب کو قواعد وضوابط میں رہ کر تشہیر کرنی چاہیے۔جب کبھی دہشت گردی میں ملوث افراد کو پولیس کی حراست میں دکھایا تو جاتا ہے ان کو بے نقاب نہیں کیا جاتا۔تو کیا ایسا پردہ ہم جنسی استحصال کا شکار ہونے والے بچوں اور ان

کے گھر والوں پر نہیں ڈال سکتے ؟ ریٹنگ بڑھانے کے چکر میں ہم ایسا فعل کر رہے ہیں جس سے مظلوم کو انصاف تو پتہ نہیں ملے گا یا نہیں مگر متاثرہ بچوں کی باقی زندگی معاشرے کی سوالیہ آنکھوں کا جواب تلاش کرنے میں صرف ہو جائے گی۔ ایسا فعل سے جس سے کسی مظلوم کی زندگی دردناک عذاب بن جائے سے مادام مارٗ کا فعل جس سے کسی کی ذات کو کوئی نقصان نہ پہنچے بہتر ہے۔ مادام مارٗ سے ہمیں یہ سبق بھی لینا چاہیے کہ ہمیں اپنے کام خود کرنے چاہیں کیونکہ بچے بھی ہم خود پیدا کرتے ہیں سو انہیں کسی کے رحم و کرم پر چھوڑنا کوئی عقل مندی نہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن - سرے

sohailloun@gmail.com

21-09-2013.